کتاب نما

مکتوبات مودودی مرتبہ: پروفیسر اشرف بخاری۔ ناشر: یونی ورسٹی بک ایجنسی، خیبر بازار، پشاور، طبع دوم:
صفحات ۱۹۰۔ قیمت: ٦٦ روپے۔

مولانا مودودی کے مکاتیب، رنگینی کلام کے بجائے حیات افروز دینی و عمرانی مسائل و معارف کا خزینہ ہیں، جن کا اسلوب سادہ و دل نشیں ہے۔

بقول محمد صلاح الدین مرحوم: "مولانا مودودی کو جس دور میں دین کی مدافعت و سربلندی کا کام انجام دینا پڑا، اس میں ایک طرف نو آبادیاتی تسلط، اور اس کے زیر اثر مغربی تہذیب اور اس کے افکار و نظریات کا محاذ تھا تو دوسری طرف خود مسلمانوں کے اندر ایک گروہ مغربی نظریات کا مبلغ بن چکا تھا——— اسلامی ریاست اور عہد جدید میں اس کے نظام حکومت کی بحثیں بھی شروع ہو چکی تھیں۔ قیام پاکستان کے بعد اس مملکت میں نظریاتی الجھاؤ کی کوششوں نے ایک نیا میدان عمل کھولا۔ حکومت کی سطح پر دستوری مسائل کا لا متناہی سلسلہ شروع ہوا——— زندگی کے تمام اجتماعی مسائل سے تعلق رکھنے والے ہزاروں خطوط کے جوابات مولانا مودودی نے دیے۔ اسلام کو چیلنج کرنے والا کوئی نظریہ، کوئی فکر، کوئی فرد، کوئی گروہ ایسا نہیں، جس کو مولانا مودودی کے قلم نے اپنی زد میں لیے بغیر چھوڑ دیا ہو۔ ان کا کام اپنے حجم، اپنی ہمہ گیری، اپنے تنوع اور اپنے اثرات کے لحاظ سے فقید المثال ہے" (دیباچہ، ص ۸، ۹)۔ اسی نوعیت کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں خطوط، مولانا مرحوم اپنے علمی ورثے میں چھوڑ کر گئے ہیں۔

زیر تبصرہ مجموعے میں مرتب نے موجودہ صوبہ سرحد کے رفقا کے نام، مولانا کے خطوط کو جمع کر دیا ہے۔ یہ ایک ابتدائی مگر کامیاب کوشش ہے۔ کتاب کے آخر میں بعض حوالوں سے مختصر حواشی بھی دیے گئے ہیں، لیکن بہت سے نکات تشنہ توضیح رہ گئے ہیں۔ اگر مکتوب کے عکس بھی دیے جاتے تو اچھا تھا، کیونکہ خطوط کو نقل کرتے وقت غلطی کا امکان رہتا ہے۔ پروف کی جو غلطیاں طبع اول (۱۹۸۳) میں رہ گئی تھیں، مرتب نے موجودہ طبع دوم میں بھی، انھیں باقی رہنے دیا ہے۔ حالانکہ کسی متن کو مرتب کرتے وقت اس کی صحت کا خاص خیال رکھا جانا چاہیے۔

یہ کتاب اس اعتبار سے ایک اچھی مثال ہے کہ دلچسپی رکھنے والے لوگوں کو اپنے علاقوں میں اس طرح

کے علمی نوادر جمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تاہم ایسی چیزوں کی ترتیب و تدوین میں ریاضت اور محنت کا دامن بہرحال ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ (سلیم منصور خالد)

اسلام کا تصور جرم و سزا، مرتب: خورشید احمد ندیم۔ ناشر: عالمی ادارہ فکر اسلامی، ۲۸ مین روڈ، ایف ۱۰-۲، اسلام آباد۔ صفحات: جلد اول ۵۳۲، جلد دوم ۴۴۹۔ قیمت: درج نہیں۔

عالمی ادارہ فکر اسلامی نے علوم اسلامیہ کی تشکیل جدید کے سلسلے میں نمایاں کام کیا ہے۔ بالخصوص اجتماعی علوم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے علاوہ، امت مسلمہ کے علمی، تہذیبی اور تمدنی تشخص کی تلاش اور بحالی بھی اس ادارے کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے۔ ادارہ عربی، انگریزی اور دنیا کی دیگر زبانوں میں متعدد کتب و مقالات شائع کر چکا ہے۔ اب اس کی پاکستانی شاخ نے ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری کی نگرانی میں، اردو تراجم کا بھی آغاز کر دیا ہے اور "معاصر اسلامی فکر" کے عنوان کے تحت مختلف موضوعات پر مختلف علوم کے ماہرین کی تحقیقات کو مربوط انداز میں یکجا کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب **اسلام کا تصور جرم و سزا** پاکستانی علما اور ماہرین کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو ۱۹۷۹ کے بعد نظام اسلامی کے عملی نفاذ کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھے گئے۔

ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری بتاتے ہیں کہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے ریاست کی سطح پر نفاذ اسلام کی مہم شروع کی تو اس کے نتیجے میں حدود و تعزیرات اور سیاسیات و معاشیات وغیرہ کے شعبوں میں ہمارے اہل علم نے بہت سی اہم اور قابل قدر چیزیں لکھیں جن کا مطالعہ دینی پہلو سے معاملات کے فہم میں مفید ہے اور اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں علمی روایت کس طرح آگے بڑھ رہی ہے۔ زیر نظر کتاب میں اسلام کے تصور جرم و سزا سے متعلق متعدد اہم تحریروں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ جلد اول کے مقدمے میں مولف نے نصف صدی پر محیط اس علمی کام کا ایک جائزہ پیش کیا ہے جو تفسیر، حدیث اور فقہ پر سامنے آیا ہے۔ مباحث کا اندازہ عنوانات سے ہو سکے گا: اسلامی سزاؤں کی حکمت اور فلسفہ، قتل کی سزا، ارتداد کی سزا، قید کی سزا اور موت کی سزا۔ دوسری جلد رجم کی سزا سے متعلق مباحث کے لیے مختص ہے۔

لکھنے والوں میں مولانا امین احسن اصلاحی، مفتی ولی حسن، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا عمر احمد عثمانی، مولانا احمد سعید کاظمی، مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور جاوید احمد غامدی جیسے علما اور محققین شامل ہیں۔ مرتب نے اہل علم کے مختلف نقطہ ہائے نظر کو بلاکم و کاست پیش کر دیا ہے۔

کتاب کی تدوین اور ابواب بندی کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت تھی۔ فصول کے تحت ابواب بندی محل نظر ہے۔ معروف صورت اس کے برعکس ہے۔ مقالات مختلف رسائل اور کتب سے اخذ کیے گئے ہیں مگر

حوالے مکمل نہیں ہیں۔ قرآنی آیات پر اعراب نہ دینا، ایک بڑی فروگذاشت ہے۔ بعض عنوانات مبہم ہیں جیسے "بنیادی اصول"۔ جلد اول کی فہرست میں عنوانات مباحث کے ساتھ، لکھنے والوں کے نام بھی دینا مناسب تھا۔ پروف خوانی مزید توجہ طلب ہے۔ امید ہے ادارہ اس طرح کے علمی مجموعہ مقالات کو دل جمعی و توجہ سے مزید بہتر تدوین کے ساتھ، قارئین تک پہنچانے کی مبارک سعی جاری رکھے گا۔ (**حافظ محمد سجاد**)

اثر التشیع علی الروایات التاریخیة فی القرن الاول الهجری [پہلی صدی ہجری میں تاریخی روایات پر شیعی اثر]، ڈاکٹر عبدالعزیز محمد نورولی۔ ناشر: **دارالتحصیری للنشر والتوانع، مدینة منورة۔** صفحات: ۴۷۹۔ قیمت: درج نہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی معرکہ آرا تصنیف سیرۃ النبیؐ کے مقدمے میں کہا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں تاریخ اسلام میں واقعات و حوادث کا اندراج جس انداز سے ہوا ہے، اس میں تحقیق کے اصولوں سے تساہل برتا گیا ہے۔ خود شبلی نے سیرت میں، تاریخ کے بجائے حدیث کو، سیرت میں بنیادی اہمیت دی ہے مگر ان کے اس نکتے پر دیگر مسلم مورخین نے عرصے تک توجہ نہیں دی۔ چنانچہ ہمارے ہاں تاریخ کے نام سے جو کتابیں منظرعام پر آئی ہیں، زیادہ تر یہ تاریخ کے بجائے داستان کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں رطب و یابس کی اتنی بہتات ہے کہ عام قاری صحیح اور غلط میں امتیاز نہیں کر سکتا۔ اس سلسلے میں پہلی صدی ہجری سے متعلق (جو خیرالقرون میں سے ہے) اور اس دور کے مسلمان صحابہ و تابعین، امت کے لیے نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں جو واقعات ملتے ہیں ان سے ان بابرکت شخصیات کے بارے میں کوئی اچھا تاثر قائم نہیں ہوتا۔ حالانکہ ان شخصیات کے جنتی ہونے کی بشارت خود قرآن نے ان کی زندگی ہی میں دی تھی۔ عام قاری انھیں پڑھنے کے بعد محسوس کرنے لگتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے خدانخواستہ ان میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں کی۔ ان میں بھی وہی اخلاقی و اجتماعی خرابیاں پائی جاتی تھیں، جو آج کے دور میں پائی جاتی ہیں۔ یہ صورت حال قریب قریب ان یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح ہے جنھوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں ان معصوم انبیا کی زندگیوں کو داغدار بنا کر انھیں اسوۂ حسنہ نہیں بننے دیا۔

اس سلسلے میں گذشتہ چند سالوں میں دنیائے عرب میں معیاری کام سامنے آیا ہے، جس میں تاریخی روایات کو علم رجال کے تحقیقی اصولوں کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے۔

شامی عالم ڈاکٹر نور الدین عز، کی مقبول عام کتاب، منہج النقد میں علم حدیث و تاریخ کے اصولوں کو شانہ بشانہ لے کر چلنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اس سلسلے کا اہم کام وہ تحقیقی مقالے ہیں جو

ڈاکٹریٹ اور ایم فل کے طلبہ نے مشہور عراقی محقق ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری اور بعض دیگر اساتذہ کی زیر سرپرستی مدینہ یونی ورسٹی اور بعض دیگر یونی ورسٹیوں میں تیار کیے۔

زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سنہرے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے جو ایک ہندی نژاد سعودی طالب علم ڈاکٹر عبدالعزیز نورولی نے مدینہ یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کرنے کے لیے، ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری اور ڈاکٹر سعدی الہاشمی کی زیر سرپرستی تیار کیا۔ اس مقالے کا موضوع قرن اول کے واقعات سے متعلق تاریخی روایات میں شیعی اثر کو اجاگر کرنا اور جن شخصیات پر خواہ مخواہ تشیع کا الزام دھرا گیا ہے، ان کی حقیقت واضح کرنا ہے۔

کتاب کے مباحث اس طرح ہیں: شیعیت کی ابتدا اور ان کے بنیادی عقائد، غالی شیعہ راویوں کا تذکرہ۔ بعض ایسے راویوں کا ذکر (جن پر خواہ مخواہ شیعہ ہونے کی تہمت لگائی گئی) اسی طرح بعض اہل سنت (جن پر شیعیت کا جھوٹا الزام لگایا گیا) اور شیعہ مورخین کا تذکرہ اور عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ کے واقعات و روایات میں شیعی اثرات (ان میں سے اہم ترین واقعات یہ ہیں: حضرت ابوبکرؓ کی خلافت، غدیر خم، سقیفہ اور بیعت حضرت ابوبکرؓ، حضرت اسامہؓ کی فوج کی روانگی، ارتداد، حضرت عثمانؓ کا بحیثیت خلیفہ انتخاب، شہادت حضرت عثمانؓ، بیعت حضرت علیؓ، واقعہ جمل، جنگ صفین اور ثالثی کا واقعہ، جنگ نہروان)۔ خلافت امویہ میں پیش آنے والے واقعات کی روایات میں شیعی اثر کا جائزہ۔ (اہم وقعات: خلافت حضرت معاویہؓ و یزید، حضرت حسنؓ کی وفات، حضرت حجر بن عدی کا قتل، واقعہ کربلا و شہادت حسینؓ، واقعہ حرۃ اور محاصرہ مکہ، کعبے پر منجنیق سے حملہ، مرج رھط، توابین مختار ثقفی، حضرت مصعب بن زبیرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن اشعث کی بغاوتیں وغیرہ)۔

اردو زبان میں جذباتی اور مناظراتی لٹریچر کی کمی نہیں ہے۔ عربی سے اردو میں تراجم بھی خوب آ رہے ہیں لیکن تحقیقی اسلوب دینے والی کتابیں شاذ و نادر ہی ترجمہ ہو کر آتی ہیں۔ کاش تحقیقی کتابوں کی طرف بھی ہمارے مترجمین کی نگاہیں جائیں تاکہ ہماری سوچ کا معیار بلند ہو۔ یہ کتاب تاریخ کے میدان میں قابل ذکر خدمت ہے۔ (عبدالمتین منیری)

Islam in The Balkans [اسلام، بلقان میں] مدیر: ظفر اسحاق انصاری۔ ناشر: ادارہ تحقیقات اسلامی، پوسٹ بکس ۱۰۳۵، اسلام آباد۔ صفحات: ۵۸۰۔ قیمت: درج نہیں۔

۱۹۹۲ میں جب بوسنیا ہرزے گووینا یورپ کے سیاسی نقشے پر ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے ابھرا تو مسلمانان عالم کی توجہ جنوب مشرقی یورپ کے علاقے میں مسلم تہذیب و تمدن کے اس مرکز کی طرف ہوئی۔

اس سے قبل بلقان کی طرف ہندی مسلمانوں کی توجہ علامہ اقبالؒ کی نظموں کے ذریعے مبذول ہوئی تھی اور ریاستوں کے حصے بخرے ہونے کے عمل کے لیے انگریزی زبان میں بلقانائی زیشن (Balkanisation) کا محاورہ بن گیا تھا۔ اب یوگوسلاویہ ٹوٹنے کے نتیجے میں ماضی کی یہ مسلم ریاست وجود میں آئی تو مغربی طاقتوں کو ایک آنکھ نہ بھلایا کہ یورپ کے قلب میں یہ زندہ رہے۔ چنانچہ حقوق، جمہوریت اور رواداری کے سب سبق بھول کر برطانیہ، جرمنی، فرانس، روس اور امریکہ کی سرپرستی میں قتل و غارت، خونریزی اور مظالم کے ایسے ایسے واقعات ساری دنیا نے دیکھے کہ الامان والحفیظ۔ سلام ہے بوسنیا کے مسلمانوں پر کہ انھوں نے آگ اور خون کے دریا سے گزر کر بھی اپنی آزادی کا دفاع کیا۔

ادارہ تحقیقات اسلامی نے ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری کی راہنمائی میں مسلم تہذیبوں کے مراکز کے مطالعے کے سلسلے میں (اندلس ۱۹۹۰، وسط ایشیا ۱۹۹۴) سرکاری اداروں کی روایت سے ہٹ کر، ۲ سال کی محنت کے نتیجے میں بلقان پر ایک غیر معمولی وقیع، تحقیقی کاوش پیش کی ہے۔ یہ ادارے کے تحقیقی مجلے Islamic Studies کا ایک خصوصی شمارہ ہے، جس میں اس علاقے کے تاریخی پس منظر، سیاسی، مذہبی، معاشی، تعلیمی اور ادبی صورت حال اور بین الاقوامی سیاست کے حوالے سے مستقبل کے امکانات کا نہایت گہرا مطالعہ کیا گیا ہے۔ بوسنیا کے دو نامور اہل علم اسماعیل بالک (Ismail Balic) اور انتونیزوک (Anto Knezvik) نے مہمان مدیر کی حیثیت سے کام کیا ہے اور خود مقالات لکھنے کے علاوہ اس شمارہ خاص کی منصوبہ بندی اور ادارت میں مسلسل شریک رہے ہیں۔ ۲۲ مقالات کی اس کہکشاں میں ہر ستارہ ہی اپنی آب و تاب رکھتا ہے مگر ہمارے قارئین کے لیے لکھنے والوں میں ایک معروف نام عطاء اللہ گوپانسکی کا ہے، جن کا مضمون البانیہ پر ہے۔ چند مقالات فرانسیسی سے ترجمہ کیے گئے ہیں۔ سولھویں سے اٹھارھویں صدی تک بلقان کے کلچر پر پاپاوک (Papavic) کے مقالے میں اس دور کی شاعری کی جھلکیاں اور اس طرح کے قصے کہانیاں ہیں جو مسلمانوں کا مشترک سرمایہ ہیں اور بہت لطف دیتی ہیں۔ اس مقالے میں دور عروج کی علمی سرگرمیاں، تعمیرات اور خطاطی، کیا کچھ نہیں ہے۔ ایک مقالے میں ایک تحریک تصوف کا تذکرہ ہے۔ ایک تفسیر قرآن پر ہے۔ ایک میں سربیا کی اسلام دشمن پالیسی کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ایک میں نئے ورلڈ آرڈر میں نسل کشی کی سیاست کا بیان ہے۔ عثمانیوں کے نظام تعلیم پر ۲۶ صفحات کا نہایت قیمتی مقالہ ہے۔ عزت بیگووچ کی کتاب کا مطالعہ ہے اور اس کے علاوہ متعدد دیگر مقالات! سچ یہ ہے کہ بلقان کے مسلمانوں نے اسلامی ریاست کا خوب تحفظ کیا ہے اور اسلامی تہذیب کے ارتقا اور اسلامی فکر کی نشوونما میں نہایت بھرپور اور وقیع حصہ لیا ہے۔

تبصرہ نگار سوچ رہا ہے کہ اس قیمتی کاوش کو پڑھنے والے ہمارے ملک میں کتنے ہوں گے؟ یقیناً بیرون

ملک تحقیقی اداروں میں اس کی قدر ہو گی لیکن ہمارے کتنے اساتذہ، کتنے طلبہ، کتنے اہل علم بوسنیا پر ٹی وی خبریں اور اخبارات میں سرخیاں دیکھنے سے زیادہ کی فرصت رکھتے ہیں؟ ضروری ہے کہ ہمارے ملک میں کھیل تماشوں کے بجائے، علمی سرگرمیوں کے کلچر کو فروغ دیا جائے۔ عروج اور ترقی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ ہمارے نوجوان اور بزرگ مطالعے کا ذوق پیدا کریں اور معاشرے میں علم و تحقیق کی قدر و منزلت ہو۔

(مسلم سجاد)

خرم مرادؒ حیات و خدمات: ترتیب و ادارت: مسلم سجاد، سلیم منصور خالد، حسن صہیب مراد، مظفر بیگ۔ ناشر: منشورات، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ صفحات: ۵۰۰۔ قیمت اعلیٰ مجلد: ۲۰۰ روپے، پیپر بیک: ۱۰۰ روپے۔

قیام پاکستان کے بعد تحریک اسلامی کو نئی نسل کے جو لوگ ہاتھ آئے، ان میں خرم مراد کا نام بہت نمایاں ہے۔ وہ ۱۹۴۸ میں اسلامی جمعیت طلبہ سے منسلک ہوئے اور جلد ہی اپنی ذہانت، صلاحیت اور دین سے لگاؤ کی بنا پر تحریک کے قائدین کی صف میں پہنچ گئے۔ دسمبر ۹۶ میں قلب کے آپریشن کے دوران ان کا انتقال ہو گیا۔ زیر نظر مجموعہ ان کے بھائی اور رفیق کار مسلم سجاد کی سربراہی میں ایک ٹیم نے مرتب کیا ہے۔

خرم مراد نے ایک غیر معمولی زندگی گزاری۔ کہنے کو انھوں نے ۶۳ سال کی عمر پائی لیکن ۳۴ سال کی عمر میں وہ قلب کے مریض ہو گئے اور پھر باقی ۲۹، ۳۰ سال انھوں نے اس مرض کے ساتھ لڑتے ہوئے زندگی گزاری۔ اس مرض نے ان کے جسم کو اسیر کر لیا تھا، لیکن ان کی روح صحت مند اور آزاد تھی۔ اس بیماری کے ساتھ انھوں نے ایک سیاسی جماعت اور ایک علمی ادارے کی سربراہی کی۔ رسالے کی ادارت کی، بچوں کے لیے کہانیاں لکھیں، انگریزی اور اردو میں کتابیں تصنیف کیں، اور ساتھ ہی ساتھ تحریک اسلامی کی متعدد ذمہ داریاں سنبھالیں۔ انھوں نے انجینیرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور اپنے پیشے میں انتہائی بلندی پر پہنچے۔ انجینیر کی حیثیت سے بھی اور منتظم کی حیثیت سے بھی۔ یہ کام پوری توجہ چاہتا ہے۔ اس کے بعد کوئی شخص کسی اور کام کے لیے وقت نکالے، یہ بہت مشکل ہے لیکن خرم مراد نے تحریک اسلامی کی ذمہ داریاں اس طرح سنبھالیں کہ جیسے وہ یہ کام ہمہ وقتی طور پر کر رہے ہوں--- تیاری، غور و خوض اور پوری منصوبہ بندی کے ساتھ، اس منصوبہ بندی میں ان کی ذات بھی شامل تھی۔ انھوں نے اپنی کمزوریوں اور صلاحیتوں کا اندازہ لگایا، صلاحیتوں کو ابھارا اور کمزوریوں کی اصلاح کی۔ ان کی بعض ذاتی خصوصیات ایسی تھیں جنھیں معائب میں شمار کیا جاتا تھا، لیکن انھوں نے ان کو حسنات میں بدل ڈالا۔ کتاب میں کئی جگہ ان کی "ضد" کا ذکر ہوا ہے لیکن اس "ضد" کو انھوں نے استقامت میں تبدیل کر دیا۔ چنانچہ اپنی بیماری کے باوجود انھوں نے انتہائی ہمت اور پامردی کے ساتھ معمول کی زندگی گزاری۔ اور اس سے کہیں زیادہ متحرک اور فعال رہے جتنا کہ

عام صحت مند آدمی ہوتا ہے۔ کتاب کو پڑھتے ہوئے بار بار احساس ہوتا ہے کہ بیماری نے انھیں مضمحل اور دل شکستہ بنانے کی بجائے، ان کو مزید توانا اور فعال کر دیا، اس لحاظ سے کہ انھیں مستقل یہ احساس رہا کہ ان کے پاس بہت وقت نہیں ہے، لہٰذا جو کام کرنا ہے، اسے جلد از جلد نمٹا دیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم ان کے کاموں پر نظر ڈالیں تو حیرانی ہوتی ہے کہ اس قدر کام کیسے ممکن ہوا۔

اس کتاب میں جو پہلے ماہنامہ "آئین" کے ایک خاص نمبر کی حیثیت سے شائع ہوا تھا، چھوٹے بڑے تقریباً ساٹھ مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض مضامین خالص رسمی نوعیت کے ہیں، لیکن ساتھ ہی ساتھ بعض انتہائی پر اثر مضامین بھی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں تو ان کی رفیقہ حیات کا مضمون ہے، لیکن رئیسہ عزیز صاحبہ کا مضمون بھی بہت خوب ہے۔ ان دونوں تحریروں میں خرم مراد کی زندگی کے ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، جو نجی زندگی کا حصہ ہونے کی وجہ سے عام طور پر مخفی رہتے ہیں۔

حسن قاسم مراد کا مضمون سب سے ہٹ کر ہے، لیکن اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ حسن قاسم نہ صرف خرم مراد کے بھائی ہیں، بلکہ بعض معاملات میں ان سے مختلف آرا رکھتے ہیں جن کا اظہار انھوں نے نہایت ادب اور شائستگی سے کیا ہے۔

حسن قاسم کا مضمون اس لحاظ سے بھی نمایاں ہے کہ انھوں نے خرم مراد کی گہری تحریکی وابستگی کے ساتھ ساتھ ان فکری لہروں کا بھی ذکر کیا، جو عام لوگوں سے پوشیدہ رہیں۔

خرم مراد، پاکستان کی تحریک اسلامی میں اس لحاظ سے ایک منفرد مقام رکھتے تھے کہ انھوں نے تحریک کو کئی مختلف زاویوں سے دیکھا۔ وہ کراچی میں تحریک اسلامی کے ایک نوجوان کارکن کی حیثیت سے ابھرے اور پھر پورے پاکستان میں اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ ہوئے۔ پھر مغرب کا پہلا تجربہ حاصل کیا۔ جلد ہی وہ مشرقی پاکستان چلے گئے۔ گئے بھی تو اس طرح کہ اس خطے کو پوری طرح اپنا لیا۔

اس وقت جبکہ ملک میں عصبیت کی آگ بھڑک چکی تھی۔ ڈھاکہ میں جماعت اسلامی کے ارکان نے انھیں اپنا امیر بنا لیا۔ انھوں نے اس خطے میں رشتے داریاں بھی قائم کر لیں۔ واپس آکر وہ نسبتاً زیادہ عرصے کے لیے مغرب میں رہے اور پھر حتمی طور پر لاہور میں بس گئے۔ اس طرح انھیں تحریک اسلامی کو کم از کم چار اہم تناظر میں دیکھنے اور اس میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ میرے خیال میں یہ تجربہ کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ کتاب کو پڑھتے ہوئے بار بار یہ سوال ذہن میں ابھرا کہ خرم مراد جیسے ذہین لوگ جنھوں نے تحریک اسلامی کو ان مختلف تناظر اور مراحل میں دیکھا اور ہر موقع پر شریک کار رہے، وہ تحریک کی پالیسیوں کے بارے میں جو کچھ سوچتے تھے، وہ واضح طور پر کیوں سامنے نہیں آیا؟ اس بات کا ذکر کتاب میں کئی جگہ ہے کہ مشرقی پاکستان کے سانحے سے پہلے ہی، ان کی فکر اس سلسلے میں بہت مختلف تھی۔ اسی طرح مارشل لا کے

زمانے میں حکومت سے تعاون کے بارے میں انھیں اختلاف رائے تھا۔ کیا اچھا ہوتا کہ ان کے خیالات سامنے آتے، تاکہ تحریک کے کارکن اور اس کے ناقد دونوں اس سے فائدہ اٹھا سکتے۔

اس کتاب سے اگر رسمی نوعیت کی تحریریں نکال دی جائیں اور کم از کم پچاس صفحات خرم مراد کی منتخب تحریروں کے نمونے جمع کر دیے جائیں اور ان کی تحریروں کی ایک فہرست شامل کر دی جائے تو کتاب کی وقعت میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔ موجودہ شکل میں بھی اس کتاب کی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اور اس کے مرتبین مبارک باد کے مستحق ہیں۔ (ظفر آفاق انصاری)

حکیم ہمدرد اور تنہا مسافر، مرتبہ: شیر افضل بری کوٹی۔ ناشر: مرکز علوم اسلامیہ، راحت آباد، پشاور۔ صفحات: ۲۵۸۔ قیمت: ۸۰ روپے۔

حکیم محمد سعید کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ انھوں نے پاکستان اور اہل پاکستان کی اصلاح احوال کے لیے مختلف شعبوں میں جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں، وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اسی طرح مولانا راحت گل، صوبہ سرحد کی ایک معروف دینی اور علمی شخصیت ہیں۔ مرکز علوم اسلامیہ پشاور کے بانی ناظم، ایک درویش خدامست، جنھوں نے ملک و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے زندگی بھر سعی پیہم جاری رکھی۔ وہ مولانا مودودیؒ کے قدردان اور جماعت اسلامی کے بہی خواہ اور موید ہیں۔ اپنے بقول: "جماعت اسلامی کے تنہا مسافر" (اس نام سے ان کی کتاب پر تبصرہ دیکھیے: ترجمان القرآن نومبر ۱۹۹۶)۔ تنہا مسافر اور حکیم محمد سعید کے ایک مداح دوست شیر افضل خان بری کوٹی نے اپنے ممدوحین کا ایک دلچسپ تذکرہ مرتب کیا ہے۔ سرورق کے فوراً ہی بعد "حکیم ہمدرد" اور "تنہا مسافر" کی رنگین و دلکش تصویریں، اس کے بعد مرتب کا طویل مقدمہ جس میں زیادہ تر حکیم صاحب کی زندگی کے دلچسپ اور سبق آموز کوائف اور ان کی خدمات کی کچھ جھلکیاں۔ بعدہ، دونوں کی باہمی خط کتابت، وطن عزیز کی فلاح اور ترقی کے لیے مفید تجاویز پر مشتمل اول الذکر کی تقاریر، کچھ دانش وروں کے کلمات خیر اور آخر میں حکیم صاحب کی چند انگریزی تقاریر۔ تنہا مسافر کی نومبر ۹۵ کی ایک تقریر سے ایک مختصر اقتباس دیکھیے: "جب تک ہم خود غرض، ضمیر فروش، بے اصول اور منافق حکمرانوں کے چنگل سے آزاد نہیں ہوں گے، زوال کے گڑھے میں گرتے جائیں گے مگر اندھی قوم پھر بھی ان ڈاکوؤں اور لٹیروں کے زندہ باد کے نعرے لگا رہی ہے۔ اللہ رحم فرمائے۔ آمین!" کتاب دلچسپ ہے اور معلومات افزا بھی۔ (رفیع الدین ہاشمی)